مباحثہ ومکالمہ

مکاتیب

۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ ۱۷؍ستمبر ۲۰۱۵ء

بخدمت محترم ومکرم مولانا زاہد الراشدی زید لطفہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے رسالۂ ''غامدی صاحب کا تصورِ حدیث وسنت'' کا اشتہار الشریعہ میں نظر پڑا تو میری خواہش پر اس کی ایک کاپی میاں عمار صاحب نے مجھے بھیجدی ہے۔ میں شکر گزار ہوں کہ مستفید ہونے کا موقع ملا۔ اللہ آپ کے افادات کو قائم ودائم رکھے۔ مگر استفادہ کیلئے شکر گزاری کے ساتھ ایک شکوہ گزاری کی بھی اجازت ہو۔

آپ کی تحریر بتا رہی ہے کہ آپ غامدی صاحب کے موقف کو بالکل غلط سمجھ رہے ہیں یہاں تک کہ ''وَمَن یُّشاقِقُ الرَّسولَ اور وَیَتَّبِع سَبیلَ غیر المؤمِنین کی حدوں کو چھوتا ہوا۔ مگر ان کے لئے آپ کے احترام اور برادرانہ مودّت پر اس کا ادنی اثر نہیں دیکھنے میں آتا۔ جو آدمی وَمَن یُّشاقِقُ الرَّسول کی حدوں کو چھو رہا ہے اس کے لئے بھی برادرانہ مودت واحترام کی گنجائش!

یہ آپ کی جون ۲۰۰۸ کی تحریر ہوئی۔ اس پر محترم غامدی صاحب کے شاگرد آپ کو جواب دیتے ہیں جس پر آپ خود محترم ہی کی طرف سے وضاحت کے لئے ''درخواست'' گزار ہوتے ہیں۔ محترم آپ کی ''گزارش'' کو قبول کرتے ہوئے اپنے ماہنامہ ''اشراق'' مارچ ۲۰۰۹ء میں وضاحت فرماتے ہیں۔ اور اپنے اور علماء کے اختلاف کو محض اصطلاحات کا فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''میرے ناقدین اگر میری کتاب ''میزان'' کا مطالعہ دقتِ نظر کے ساتھ کرتے تو اس چیز کو سمجھ لیتے۔ اور انھیں کوئی غلط فہمی نہ ہوتی۔ یہ توقع اب بھی نہیں۔ دین کے سنجیدہ طالب علم البتہ مستحق ہیں کہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے چند معروضات ان کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔''

اس ارشاد کے مطابق ہمارے محترم مولانا زاہد الراشدی اپنے محترم جناب غامدی کی نگاہ میں ''دین کے (ایک) سنجیدہ طالب علم'' سے زیادہ کے خانے میں نہیں آتے۔ مگر ہمارے مولانا کا ظرف کہ آگے گفتگو غامدی صاحب کے لئے اس احترام سے بہر حال محروم نہیں ہوئی ہے جو چلا آرہا تھا۔ یہاں مجھے اپنے تایا صاحبؒ کا ایک لطیفہ یاد آرہا ہے۔

طبیعت میں لطافت تھی اور شرک وبدعت کے بارے میں بالکل مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا ذہن رکھتے تھے۔ دوسری طرف محلّہ میں شرک وبدعت کی دکانیں بھی چل رہی تھیں۔ اپنا مکان ایسی جگہ واقع تھا کہ سارے محلّہ کی گزرگاہ۔ تایا صاحب ایسے لوگوں کو نظر میں رکھتے تھے جن کی ان دکانوں میں آمد ورفت ہوتی اور کسی کو مناسب سمجھتے تو حال چال پوچھنے کو بلا لیا کرتے۔ ایک صاحب سے ان کے مولانا صاحب کا حال پوچھا جو بیمار چل رہے تھے۔ بیچارے سیدھے سے تھے۔ بولے کہ بڑے مولی صاب نے جب سے مسجد کی زمین بیچ لخ، تب سے نہیں چار پائی سے اُٹھ پائے۔ تایا صاحب نے لطف لیا اور فرمایا: مگر رہے پھر بھی بڑے مولی صاب ہی!

خیر یہ تو لطیفہ تھا کہ ذرا دیر کو فضا بدل جائے۔ عرض یہ کرنا تھا کہ غامدی صاحب کے کلام میں جو ادّعائیت ہے یعنی یہ طرزِ کلام کہ

> ''ہمارے علماء ان تینوں کے لئے ایک ہی لفظ ''سنت'' استعمال کرتے ہیں۔ میں اسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک پہلی چیز کے لئے ''سنت''، دوسری کے لئے ''تفہیم وتبیین'' اور تیسری کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' کی اصطلاح استعمال ہونی چاہئے۔''

تو ''ہمارے علماء'' کے مقابلہ میں یہ ''میں ان کی اصطلاح کو موزوں نہیں سمجھتا'' اور میرے نزدیک یہ ہونا چاہئے، وہ ہونا چاہئے۔'' کیا اس ہفت آسمانی طرزِ کلام والے ''کے آمدی وکے پیر شدی'' لوگوں کے ساتھ یہ ''سراپا احترام طرزِ گفتگو دینی نقطۂ نظر سے مناسب ہے؟ ان کی اِدعائیت ان کے بطلان کی طرف سے اطمینان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور صاحبِ مقام علماء کی طرف سے یہ سراپا احترام طرز گفتگو اس پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ مجھے یہ عرض کرنے میں معاف رکھئے کہ محترم کے سلسلہ میں الشریعہ کے رئیس التحریر کی یہ حد سے بڑھی کریمانہ روش ایک مدعی کو قابلِ لحاظ بننے میں مددگار رہوئی ہے۔ نہ کیجئے حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کے لہجہ میں گفتگو مگر اس کا بالکل عکس، یہ تو آپ کے منصب نہیں کہی جاسکتی۔ والسلام

گستاخی کے لئے عفوخواہ،
عتیق الرحمٰن سنبھلی

(۲)

1989ء میں قائداعظم یونیورسٹی میں الیکٹرانکس میں داخلہ ہوا تو شروع شروع کے دنوں میں جن کلاس فیلوز سے قریبی تعلق ہوگیا ان میں کراچی کا ایک دوست (نام حنیف فرض کر لیجیے) بہت محنتی اور ملنسار تھا اور پڑھائی اور اسائنمنٹس مکمل کرنے میں بہت ساتھ دینے والا۔ ہم لوگ رات گئے تک پڑھتے۔ ہم کلاس فیلوز سارے پاکستان سے دور دور سے آئے تھے اور ہمارے کچھ کلاس فیلو اردن، شام، فلسطین، سعودیہ، مصر وغیرہ کے بھی تھے۔

حنیف کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ہر ایک کے کام آنے کی کوشش کرتا۔ کبھی اس کے کمرے میں گئے تو معلوم ہوا کہ فلاں دوست کے ساتھ ڈسپنسری گیا ہوا ہے یا فلاں کی دوا لینے کے لیے آبپارہ مارکیٹ گیا ہوا ہے۔ کوئی گھر سے آرہا ہے